1
روزنامہ راشٹریہ سہارا
نئی دہلی، 11/ فروری 2017، ہفتہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ - اسلامی علم و دانش کے آفتاب

حرفِ حق

پروفیسر اختر الواسع

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی چوتھائی صدی سے زیادہ کا سفر طے کر چکا ہے۔

اپنے اس طویل سفر میں اس ادارے نے متعدد پہلوؤں سے کامیابی کی مثالیں قائم کی ہیں۔ مدارس اسلامیہ کا سروے، مسلم آبادی کے تناسب کا سروے، ملت اسلامیہ کو درپیش قانونی مسائل اور ان کے لیے بیداری، اسلامی بینکنگ علم کی اسلامی تشکیل جیسے اہم موضوعات پر اہم کارنامے انجام دیے۔ متعدد عالمی سیمینار منعقد کرائے، متعدد اعلیٰ تحقیقی کتابیں لکھوائیں اور متعدد عالمی معیار کی کتابوں سے اردو والوں کو روشناس کرایا۔

اس ادارے کی خاص خوبی اس کا عالمی معیار ہے، جس موضوع پر بھی انہوں نے کام کیا کوشش یہ کی کہ تحقیق کا حق ادا کر دیا جائے۔ میراث اسلامی کے نام سے انہوں نے سیرت، حدیث اور دوسرے موضوعات پر جو کام کرایا وہ دستاویزی نوعیت کا ہے۔ سیرت النبیؐ کے مصادر پر دو جلدوں میں جو کتاب شائع کی ہے اس کی مثال کسی بھی دوسری زبان حتی کہ عربی زبان میں بھی نہیں ہے۔

حالیہ دنوں میں اس ادارے نے ایک نیا پروجیکٹ شروع کیا ہے، یعنی ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی یاد میں ایک عالمی سیمینار منعقد کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ بلاشبہ ایسی عظیم شخصیت تھے کہ ان پر اداروں کو نہیں ملکوں کو سیمینار کرانا چاہیے۔ انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، یہ فرض ادا کر رہا ہے۔ یہ بڑا قابل مبارک باد کام ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ 9 فروری 1908 کو پیدا ہوئے اور 96 سال کی طویل عمر پا کر 17 دسمبر 2002 میں فوت ہوئے۔ اگر یہ سیمینار 9 فروری یا 17 دسمبر میں منعقد ہوتا تو اس کی موزونیت تاریخ میلاد یا یوم وفات کی ہو جاتی، لیکن اب بھی اس کی خصوصی اہمیت ہے، چوں کہ عظیم شخصیات موت و پیدائش کے دائرے میں محصور نہیں ہوتیں بلکہ وہ زمان و مکان کی قیود ثانوی ہوتی ہے، ان کے کارنامے ہر زمانے کے لیے اور ہر جگہ کے لیے رہ نما ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے ڈاکٹر حمید اللہ کی شخصیت اپنے بہت ہم عصروں سے ممتاز ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر حمید اللہ، حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ آصف شاہی دور کے حیدرآباد میں علم و تحقیق مثالی ہے۔ اس دور میں ملک بھر کے اعلیٰ محققین اور دانشور یہاں جمع ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے یہاں کا ماحول بڑا علمی و تحقیقی بن گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس ماحول سے خوب خوب استفادہ کیا۔ تحقیق کے ذوق کے ساتھ آپ کو مختلف زبانوں پر جو قدرت حاصل تھی وہ بھی نایاب نہیں اور کم یاب ضرور ہے۔ آپ 7 زبانوں میں تحریر و تقریر کا ملکہ رکھتے تھے۔ اردو تو آپ کی مادری زبان تھی۔ اس کے علاوہ عربی، فارسی، انگریزی، فرنچ، جرمن، ترکی، اطالوی اور روسی زبانوں پر آپ کو کامل دسترس حاصل تھی۔ فرانسیسی کے تو آپ بڑے ادیب مانے جاتے تھے، آپ نے متعدد اہم کام فرانسیسی زبان میں کیے۔ ذوق تحقیق کے ساتھ آدمی کا کثیر لسانی ہونا اس کے دائرہ تحقیق کو وسعت دیتا ہے۔ چناں چہ ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی اس میں بڑی انفرادیت پیدا کی۔ خاص طور پر سیرت النبیؐ سے متعلق انہوں نے ایسی تحقیقات پیش کیں جو ہمیشہ لوگوں کے لیے رہ نما اور مصدر کا کام دیں گی۔ الوثائق السیاسیہ ان کا ایسا کارنامہ ہے جس نے اسلام کے ابتدائی عہد کا ڈاکومینٹیشن کر دیا۔ اولین تحریری معاہدوں سے لے کر سرکاری خطوط، سرکاری دستاویزات اور پہلا تحریری دستور تک ایسی دستاویز ہیں جو پائیدار اہمیت کی حامل ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ کا ایک خصوصی امتیاز یہ بھی رہا کہ انہوں نے سیرت النبیؐ سے متعلق علاقوں اور مقامات کو اس وقت دیکھا تھا جب ان میں عہد نبوی کی جھلکیاں موجود تھیں۔ اس لیے بھی ان کے لیے یہ ممکن ہو سکا کہ سیرت کے بعض ایسے پہلوؤں کی نشاندہی کر سکیں جو آج کا محقق نہیں کر پائے گا۔ مثلاً غزوہ خندق میں مشرکین مکہ کی فوج نے مدینہ کے شمال میں خیمہ لگائے تھے اصولاً جنوب میں لگانا چاہتے تھے وغیرہ، ان کو بہت سے ایسے نادر کتبات بھی دریافت ہو گئے تھے جو بعد کے زمانے میں موجود نہیں رہے۔ آپ کی کتاب عہد نبوی کے میدان جنگ Holistic Research کی اعلیٰ مثال ہے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ان کی اہم کتابوں میں رسول اکرم کی سیاسی زندگی، عہد نبوی کا نظام تعلیم، عہد نبوی کی نظام حکمرانی، عربی حبشی تعلقات وغیرہ اہم ہیں۔ ان کے علاوہ خطبات بہاولپور ان کی بے مثال کتاب ہے۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ خطبات زبانی دیے گئے تھے۔ اگر کوئی خطبات کا مطالعہ کرے تو اس کے لیے یہ یقین کرنا مشکل ہو جائے گا بلکہ اس کو ناممکن لگے گا کہ جس کتاب کی سطر سطر میں حوالہ موجود ہو آخر وہ زبانی خطبات کا مجموعہ کیسے ہوگی۔

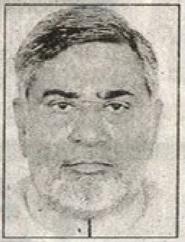

سیرت کی اہم ترین کتاب سیرت ابن اسحٰق کو دریافت کرنے، ایڈٹ کرنے اور اس کا ترجمہ کرنے کا سہرا بھی ڈاکٹر حمید اللہ کے سر ہے۔ سیر ت النبیؐ کے اس اولین ماخذ پر سیرت کی بہت سی روایات کا انحصار ہے۔ سیرت کے علاوہ حدیث کی ایک اہم کتاب صحیفہ ہمام بن منبہ کی دریافت بھی ڈاکٹر حمید اللہ نے کی تھی، یہ صحیفہ اگرچہ کچھ احادیث کا مجموعہ ہے لیکن اس کی دریافت سے حدیث کی کتابت کا سلسلہ عہد نبوی سے استوار ہو جاتا ہے۔

سیرت کی اہم ترین کتاب سیرت ابن اسحٰق کو دریافت کرنے، ایڈٹ کرنے اور اس کا ترجمہ کرنے کا سہرا بھی ڈاکٹر حمید اللہ کے سر ہے، سیرت النبیؐ کے اس اولین ماخذ پر سیرت کی بہت سی روایات کا انحصار ہے۔

سیرت کے علاوہ حدیث کی ایک اہم کتاب صحیفہ ہمام بن منبہ کی دریافت بھی ڈاکٹر حمید اللہ نے کی تھی، یہ صحیفہ اگرچہ کچھ احادیث کا مجموعہ ہے لیکن اس کی دریافت سے حدیث کی کتابت کا سلسلہ عہد نبوی سے استوار ہو جاتا ہے۔ ہمام بن منبہ شاگرد ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور استاد ہیں معمر بن راشد کے۔ معمر بن راشد استاد ہیں عبدالرزاق ہمام کے اور وہ استاد ہیں امام بخاری کے، اور یہ تمام لوگ باضابطہ مصنف ہیں، سب کی کتابیں موجود ہیں۔ اس صحیفہ کی دریافت نے حدیث کی جمع و تدوین کے سلسلے کو ایک تصنیفی استناد عطا کیا، اس لیے یہ بھی ان کے عظیم کارناموں میں شمار کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کا ایک اہم کارنامہ اسلامی قانون خاص طور پر بین الاقوامی قانون سے متعلق مسلمانوں کی خدمات کے جائزہ سے متعلق ہے، اپنے اس تحقیقی کام میں انہوں نے قدیم مغربی زبانوں جرمن اور رومن وغیرہ کی مدد سے قدیم روایات کا جائزہ لیا ہے۔ اسلامی تاریخ پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا ہے اور اسلام کے بین الاقوامی قانون کی انفرادیت کو واضح کیا ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے اس کے علاوہ بھی متعدد تحقیقی کام کیے ہیں۔ خاص طور پر متون کی تلاش و جستجو اور ان کی تحقیقی اشاعت کے حوالے سے ان کی دریافتیں پورے کاروان علم و ادب پر اثرات کی حامل ہیں۔

ایسی ہمہ جہت اور خالص تحقیقی و تدقیقی شخصیت کو یاد کرنا، ان کے کارناموں کا ذکر کرنا اور نئی نسل کو ان سے واقف کرانا بہت بڑا کام ہے، اس کے ذریعہ نہ صرف لوگ ان سے واقف ہوں گے بلکہ آج کے نوجوانوں کو مہمیز بھی ہوگی اور ان کے لیے بھی تحقیق کے نئے میدانوں کی تلاش کا جذبہ پیدا ہوگا۔

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز اس اعتبار سے بہت قابل مبارکباد ہے کہ اس نے مسلمانان ہند کے اوپر عائد اس فریضے کو اپنے طور پر ادا کرنے کی کوشش کی، میری دعائیں ان کے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ اس سیمینار کو کامیاب کرے اور ہمارے اندر نئے ڈاکٹر حمید اللہ پیدا کرنے کا محرک بنائے۔

(مضمون نگار مولانا آزاد یونیورسٹی جودھ پور کے پریسیڈینٹ ہیں۔)

1
روزنامہ راشٹریہ سہارا
نئی دہلی، 17/فروری 2017، جمعہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور ان کے افکار کی عصری معنویت

جائزہ

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

متعدد اعتبارات سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے افکار و تعلیمات کی عصری معنویت پیش کی جاسکتی ہے۔ راقم سطور صرف ایک پہلو کو اہل نظر اور اہل بصیرت کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے اور یہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا وہ نظریہ ہے جسے ہم خلافت اسلامی کے قیام کی جانب ایک قدم قرار دے سکتے ہیں۔ موجودہ عالم اسلام میں صرف ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یہ تجویز پیش کی ہے، وہ پاکستان میں اپنے ایک محاضرے میں کہتے ہیں:

"سوال یہ ہے کہ حضورؐ نے تو ایسی حکومت اور مملکت قائم کردی، لیکن آج کل کے حکمرانوں کی ذہنیت کو دیکھتے ہوئے کیا راستہ اختیار کیا جائے؟ اگر ان سب کو کہا جائے کہ ایک خلافت اسلامیہ قائم کرو جس کا ایک واحد حکمراں اعلیٰ ہو، تو وہ یہ منصوبہ قبول نہیں کریں گے۔ لہٰذا اب کیا کریں؟ میرے خیال میں ایک حل یہ ہے کہ تمام اسلامی دنیا مل کر سوئزرلینڈ کی طرز کا ایک نظام قائم کرے، جس میں ہر علاقہ کا نمائندہ ہوتا ہے اور باری باری ہر ریاست کا نمائندہ پورے علاقہ کا حکمراں بنتا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کے چالیس پچاس ملک ہیں، اگر ایسا نظام کوئی مرتب کیا جائے کہ ہر ملک کا حکمراں نمائندوں کی مجلس کا رکن ہو اور باری باری ہر ملک کا حکمراں پورے عالم اسلام کا حکمراں بنے تو اس طرح اسلامی ملکوں میں اتحاد قائم ہوسکتا ہے۔ یہ نظام سب کے لیے قابل قبول ہونا چاہیے، کیونکہ باری باری سب کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہوگا۔"

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی اس تجویز نے ان کو ایک مفکر کی عظمت عطا کردی ہے اور ایسی اہم تجویز کو پیش کرنے میں کوئی اور شخصیت ان کی شریک اور سہیم نہیں ہے۔ اس تجویز کی اہمیت یہ ہے کہ خلافت اسلامیہ کا قیام دین میں ایک اساسی درجہ رکھتا ہے۔ اسلام کے پیش نظر جو عظیم مقاصد ہیں، ان کی تکمیل منتشر اور غیر منظم گروہ سے نہیں ہوسکتی ہے، چاہے ان کی تعداد کتنی ہی کثیر ہو۔ ان مقاصد کی تکمیل کے لیے ایک منظم اور مربوط اجتماعیت کی ضرورت ہے جو خلافت اور امارت کی بنیاد پر قائم ہو اور یہ خلافت کا نظام دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے ایک مرکز کی حیثیت رکھتا ہو۔ اسی لیے خلیفہ کے انتخاب کو دینی فرائض میں سے ایک فریضہ سمجھا گیا ہے اور جس کو صحابہ کرامؓ نے جسد اطہر وانور کی تدفین پر مقدم رکھا ہے۔ صدیق اکبر حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب (سنہ 10ھ) سے لے کر خلیفہ مستعصم کی شہادت (656ھ) تک عالم اسلام خلیفہ اسلام سے کبھی محروم نہیں رہا اور تھوڑے انقطاع کے بعد پھر خلافت کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر ترک ناداں نے خلافت کا خاتمہ کردیا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے ارکان اسلام کی اقامت، جہاد اور اس کے متعلقات کے لیے خلافت یعنی ایک اسلامی ریاست کو ضروری قرار دیا ہے۔

اگر اس وقت یوروپ اور امریکہ کو آتش وآہن سے شکست نہیں دی جا سکتی ہے تو اسلام کی روحانی اور نظریاتی طاقت سے تو شکست دی جا سکتی ہے۔ آج خود یوروپ کے مفکرین اور تھنک ٹینک یوروپ کی تہذیب سے بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں اور اہل نظر یہ محسوس کرتے ہیں کہ مغربی تہذیب کا سفینہ موجوں کی تاب نہیں رکھتا ہے۔ اس کا ہر تختہ گھن کھایا ہوا اور دیمک کا چاٹا ہوا ہے۔

انہوں نے اپنی کتاب ازالۃ الخفا میں تفصیل سے اس موضوع پر کلام کیا ہے۔ ترک ناداں نے جب خلافت کی قبا چاک کر دی، پورا عالم اسلام صلیبی طاقتوں کے نرغے میں آ گیا، اس کی تکابوٹی کی گئی۔ اسے نوچ نوچ کر کے کھایا گیا۔ آج بھی دنیائے اسلام بڑی طاقتوں کے سامنے گربۂ مسکین بنی ہوئی ہے اور ان کے خوانِ یغما کا لقمہ تر۔ ان ہی طاقتوں نے عرب دنیا کے سینہ میں اسرائیل کا خنجر پیوست کردیا ہے۔ آج عالم اسلام کا منظرنامہ اس چڑیا گھر کی طرح ہے جس میں ایک شخص غلطی سے چڑیا گھر کے اندر پہنچ گیا تھا اور پھر شیر اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے بعد جو حادثہ پیش آیا، وہ سب جانتے ہیں۔ آج اس مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ عالم اسلام خود ایسا شیر بن جائے جو تمام شیروں کا مقابلہ کر سکے اور جس سے تمام شیر ڈر جائیں۔ اور "ترهبون به عدو الله وعدوكم" کی عملی تفسیر سامنے آجائے اور یہ کام اور قرآنی آیت پر عمل خلافت کے قیام کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے۔ اگر خلافت قائم ہوجائے تو عالم اسلام میں اتحاد کی صورت گری ہوگی اور جب صنعتی انقلاب آئے گا تو مصنوعات کے لیے وسیع بین الاقوامی منڈی کی ضرورت اس سے پوری ہوگی اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے خلافت کے قیام کے لیے جو راہ بتائی ہے، اس پر سنجیدگی کے ساتھ توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ یہ عالم اسلام کے استحکام کی راہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا ایسی بنائی ہے کہ اس میں کوششوں کا امکان کبھی ختم نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی تجویز تو پیش کردی، لیکن اس تجویز کو عملی شکل دینا یا دلوانا ان کے دائرہ اختیار میں نہیں تھا۔ ان کے دائرۂ اختیار میں تھا کہ دین اسلام کو اپنے ہم عصروں میں اور دنیا کی قوموں میں ایک مستند اور تاریخی اعتبار سے ثابت شدہ دین کی حیثیت سے پیش کریں۔ ان کے دائرہ اختیار میں تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلکش سیرت کو یوروپ کی قوموں میں یوروپ کی زبانوں میں پیش کریں۔ ان کے دائرۂ اختیار میں تھا کہ وہ اسلام کا تعارف علمی زبان میں اہل مغرب کے درمیان کرائیں۔ ان کے دائرۂ اختیار میں تھا کہ قرآن کریم کا ترجمہ اہل فرانس کے درمیان ان کی زبان میں دلنشیں انداز میں پیش کریں اور ان کے ترجمہ نے تو مقبولیت کا ریکارڈ قائم کردیا تھا۔

اقبال نے امت مسلمہ کی یہ تاریخ بتائی تھی:

دیں اذانیں کبھی یوروپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی فرانسیسی اور انگریزی تصنیفات سے گویا یوروپ کے کلیساؤں میں اذان دی تھی۔ یہ عظیم کام مسلمان دانشوروں کے لیے ایک نمونہ ہے۔ اگر اس وقت یوروپ اور امریکہ کو آتش وآہن سے شکست نہیں دی جا سکتی ہے تو اسلام کی روحانی اور نظریاتی طاقت سے تو شکست دی جا سکتی ہے۔ آج خود یوروپ کے مفکرین اور تھنک ٹینک یوروپ کی تہذیب سے بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں اور اہل نظر یہ محسوس کرتے ہیں کہ مغربی تہذیب کا سفینہ موجوں کی تاب نہیں رکھتا ہے۔ اس کا ہر تختہ گھن کھایا ہوا اور دیمک کا چاٹا ہوا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اہل علم یوروپ کے سامنے مغربی تہذیب کا متبادل پیش کریں۔

□❖□

نوٹ: مندرجہ بالا مضامین میں مضمون نگاروں کے ذریعہ ظاہر کی گئی آرا ان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کے لیے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہے۔

CHAUTHI DUNIYA
چوتھی دنیا
First International Urdu Weekly

نوئیڈا (گوتم بدھ نگر) 06 مارچ تا 12 مارچ 2017

لمحۂ فکریہ.....

ڈاکٹر حمید اللہ کی علمی وراثت اور عصری معنویت

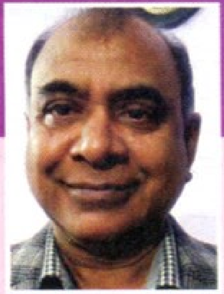

اے یو آصف

آئی او ایس چیئرمین ڈاکٹر محمد منظور عالم قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے ڈاکٹر حمید اللہ کے علمی و تحقیقی کارناموں کے تجزیہ کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس سے یقیناً ان کے کام کی موجودہ تناظر میں معنویت مزید اجاگر ہوگی اور دین اسلام، سیرت رسول اور تاریخ اسلام کو سمجھنے میں مزید آسانی ہوگی۔

دنیا میں ایسی چند شخصیات ہوتی ہیں جن کے علمی و تحقیقی کارنامے تاریخ کا رخ موڑ دیتے ہیں۔ یہ کسی زمانہ اور خطہ کے قیود و بند سے آزاد ہوتے ہیں اور بعد میں ان کارناموں پر تحقیق کے بعد ان شخصیات کی گوناگوں صلاحیتوں کا اعتراف ہوتا ہے اور ان کا تحقیقی کام اہل علم و دانش کے نزدیک موضوع بحث بنتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسی ہی شخصیات تاریخ ساز ہوتی ہیں۔ انھی شخصیات میں سے ایک ڈاکٹر محمد حمید اللہ تھے جنہوں نے 95 برس کی عمر پائی اور نصف صدی پیرس میں قیام کے بعد 17 دسمبر 2002 کو امریکہ کے پنسلوانیہ میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ان کے انتقال کے 14 برس بعد معروف تھنک ٹینک انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز (آئی او ایس) نے "ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی علمی وراثت اور اس کی عصری معنویت" کے موضوع پر دو روزہ عالمی کانفرنس کا انعقاد کیا جس کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں ان کے علمی کارناموں کے تعلق سے کل 82 مقالے پیش کئے گئے۔ یہ مقالے 15 یونیورسٹی کے شعبوں کے صدور، 20 اسسٹنٹ پروفیسروں، 37 ریسرچ اسکالروں اور دس دیگر طلباء و نوجوانوں کے لکھے ہوئے تھے۔ اسی موقع پر یہ بھی اعلان کیا گیا کہ آئی او ایس میں ڈاکٹر حمید اللہ کے علمی کارناموں پر مزید تحقیق کے لئے ایک خصوصی سیل قائم کیا جائے گا جو بالخصوص ان کے فرانسیسی زبان میں کارناموں کے ہندوستان کی مختلف زبانوں میں ترجمے کو یقینی بنائے گی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی علمی خدمات کے تعلق سے 82 مقالوں کے عنوانات کو دیکھ کر ہی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کے علمی کاموں کا دائرہ کار کتنا وسیع اور پُر مغز تھا۔ ان کے علمی کاموں میں ایک خاص بات اور تھی کہ وہ مستقبل کے تقاضوں کی احاطہ بندی کرتی ہے اور عصری معنویت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے قرآن مجید کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ سے لے کر اسلام کے مختلف گوشوں بشمول خلافت اور میثاق مدینہ پر بڑے دقیق اور فکر انگیز کام کئے۔ دو روزہ عالمی کانفرنس میں 82 مقالوں کا پڑھا جانا اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ میں اہل علم و دانش کی ان کے انتقال کے 14 برسوں بعد بھی پوری دلچسپی پائی جاتی ہے اور انہوں نے متعدد ایشوز میں جو زاویے پیش کئے ہیں، وہ ہنوز موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے میثاق مدینہ پر کئے گئے علمی و تحقیقی کاموں کو دیکھئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ پہلی بار انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں یہ حقیقت سامنے آئی کہ دنیا میں سب سے پہلے مخلوط و جمہوری حکومت محمدؐ نے ہجرت کے بعد مدینہ میں قائم کی تھی جس میں عیسائی، یہودی و دیگر مکاتب فکر کے نمائندہ افراد بھی شامل تھے اور اس کی سربراہی خود وہی کر رہے تھے۔ وہ انکشاف تھا جسے جب مولانا وحید الدین خاں نے برسوں قبل بی جے پی کے بزرگ رہنما ایل کے اڈوانی کی انگریزی آپ بیتی کے اردو ترجمہ کے اجراء کی محفل میں خود مصنف کے سامنے پیش کیا تو وہ چونک گئے اور کہا کہ یہ پہلو پہلی مرتبہ ان کے سامنے آرہا ہے۔ اس وقت معروف صحافی اور فی الوقت مرکزی حکومت میں وزیر مملکت برائے امور خارجہ ایم جے اکبر نے تو آگے بڑھ کر یہ بھی کہہ دیا تھا کہ محمدؐ کی مدینہ کی حکومت پہلی سیکولر حکومت بھی تھی۔ اس سے ممکن ہے کہ لفظ سیکولر کے یہاں استعمال پر کسی کو اتفاق نہ ہو مگر ہندوستانی آئین میں سیکولرزم کی تشریح کی روشنی میں یہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ رسول اکرمؐ کے مدینہ کے اس تجربہ سے کثرت میں وحدت کے تصور کی بھی وضاحت کھلے طور پر ہوتی ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کے علمی کاموں میں ایک اہم کام یہ بھی ہے کہ عہد نبوی میں نظام تعلیم کیا تھا؟ اپنی تحقیق کے ذریعہ انہوں نے اس پہلو کو پورے طور پر اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ محمدؐ نے اپنے دور میں مکاتب و مدارس کے انتظام، امتحانات، اقامت خانے، ابتدائی تعلیم اور لکھنے پڑھنے کو سکھانے کے بندوبست، اجنبی زبانوں کی تعلیم، نصاب تعلیم، بچیوں اور عورتوں کی تعلیم کا پورا نظام قائم کر رکھا تھا۔ وہ اس سلسلے میں وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے ناخواندگی کو دور کرنے کے لئے نظم کیا تھا۔

اسی طرح ڈاکٹر حمید اللہ نے نظام خلافت پر بنیادی کام کرکے یہ تجویز پیش کی کہ موجودہ دور میں خلافت کی طرح تمام مسلم ممالک ایک ایسا نظام مرتب کریں جیسا کہ سوئزرلینڈ میں ہے اور جس کے تحت ہر ملک کے سربراہ کو یہ موقع دیا جائے کہ وہ اس کی سربراہی کرے۔ انہوں نے کہا کہ اگر خلافت کی ہی طرح کا کوئی نظام موجودہ دور میں قائم ہو جائے تو اس سے مسلم ممالک میں اتحاد پیدا ہوگا۔

ڈاکٹر حمید اللہ کے علمی کاموں میں ایک اہم کام یہ بھی ہے کہ عہد نبوی میں نظام تعلیم کیا تھا؟ اپنی تحقیق کے ذریعہ انہوں نے اس پہلو کو پورے طور پر اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ محمدؐ نے اپنے دور میں مکاتب و مدارس کے انتظام، امتحانات، اقامت خانے، ابتدائی تعلیم اور لکھنے پڑھنے کو سکھانے کے بندوبست، اجنبی زبانوں کی تعلیم، نصاب تعلیم، بچیوں اور عورتوں کی تعلیم کا پورا نظام قائم کر رکھا تھا۔ وہ اس سلسلے میں وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے ناخواندگی کو دور کرنے کے لئے نظم کیا تھا۔ مثال کے طور پر ہجرت کے ڈیڑھ ہی برس بعد جب 60-70 مکہ والے جنگ بدر میں گرفتار ہو کر مدینہ لائے گئے تو رسول کریمؐ نے ان لوگوں کی جو مالدار نہیں تھے، رہائی کے لئے یہ فدیہ مقرر کیا کہ وہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھائیں۔ ایک صحابی عبادہ ابن الصامت کہتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے مجھے صفہ میں اس غرض سے مامور کیا تھا کہ لوگوں کو لکھنے اور قرآن کی تعلیم دوں۔ صفے سے مراد مکان کا ملحق حصہ ہوتا ہے۔ یہ مسجد نبوی میں ایک احاطہ تھا جو اس غرض کے لئے مختص کر دیا گیا تھا کہ باہر سے تعلیم کے لئے آنے والوں بلکہ خود مقامی بے گھر طالب علموں کیلئے دارالاقامہ کا بھی کام دے اور مدرسہ کا بھی۔ یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ قبائلی نمائندے تعلیم کی غرض سے مدینہ آتے تھے اور ان کے قیام و طعام اور تعلیم و تربیت کی نگرانی خود محمدؐ فرماتے تھے۔ عہد نبوی میں ایک فنی ذوق یا تخصص بھی ترقی کر گیا تھا اور خود رسول اکرمؐ اس کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ نصاب کے تعلق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و سنت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ نشانہ بازی، پیراکی، تقسیم ترکہ کی ریاضی، مبادی طب، علم ہیئت، علم انساب اور علم تجوید القرآن کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ ایک حدیث کے حوالے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ استاد کی عزت کی جائے یا علم بغیر عمل کے بے سود ہے۔ علم میں تجارت کے اصول و ضوابط بھی شامل تھے۔

آئی او ایس چیئرمین ڈاکٹر محمد منظور عالم قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے ڈاکٹر حمید اللہ کے علمی و تحقیقی کارناموں کے تجزیہ کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس سے یقیناً ان کے کام کی موجودہ تناظر میں معنویت مزید اجاگر ہوگی اور دین اسلام، سیرت رسول اور تاریخ اسلام کو سمجھنے میں مزید آسانی ہوگی۔ ■

Daily
JADID KHABAR New Delhi
Saturday 18 February 2017

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ اور ان کا علمی ورثہ

ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدرآباد دکن میں 19 فروری 1908 کو پیدا ہوئے، وہیں مدرسہ نظامیہ اور جامعہ عثمانیہ میں ان کی تعلیم وتربیت ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے جرمنی اور فرانس کی دانشگاہوں سے بھی اکتساب فیض کیا اور واپس آکر جامعہ عثمانیہ میں درس دینے لگے۔ اس وقت ہندوستان آزاد نہ ہوا تھا، دکن میں آصفیہ سلطنت قائم تھی۔ ڈاکٹر حمید اللہ اسی سلطنت کی جانب سے نمائندگی کرنے کے لیے ایک وفد کے ساتھ اقوام متحدہ گئے تھے، ان کے لوٹنے سے پہلے ہی سقوط حیدرآباد کا سانحہ پیش آگیا۔ ڈاکٹر صاحب آصفیہ کے پاسپورٹ پر سفر نہیں کرسکتے تھے، اس لیے انہوں نے فرانس میں ہی سیاسی پناہ لے لی، پیرس میں قیام کیا اور تحقیق وتصنیف اور دعوت وتبلیغ کے کاموں میں ہمہ تن مشغول ہوگئے اور اس وقت تک لکھنے پڑھنے اور تحقیق وریسرچ کا کام کیا جب تک ان کے قوی نے ساتھ دیا۔ جب سن شریف 90 سے زیادہ کا ہوگیا اور مختلف بیماریوں نے گھیر لیا تو امریکہ میں مقیم ان کے اعزہ ان کو اپنے ہاں لے گئے اور وہیں 17 دسمبر 2002 کی صبح خالق حقیقی سے جاملے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ایک لمبی عمر پائی اور ایک ایک لمحہ کو نہایت قیمتی جانا، اسے دین کی دعوت، قرآن وسنت کے سلسلہ میں مطالعہ وتحقیق اور اہم اسلامی موضوعات پر بیش قیمت تالیفات کی تخلیق میں لگایا۔ انہوں نے کئی زبانیں سیکھیں۔ جرمن، فرنچ، آسٹریائی، انگریزی، سنسکرت وغیرہ۔ اردو عربی وفارسی تو گھر کی میراث تھیں۔ ان زبانوں میں عبور حاصل کیا۔ فنائیت فی العلم کا حال یہ تھا کہ ضعیف العمری میں تھائی زبان سیکھی۔ فرنچ جو یوروپ کی انگریزی کے بعد سب سے اہم اور فارسی زبان کی طرح میٹھی سمجھی جاتی ہے اس میں کئی کتابیں لکھیں۔ قرآن کا ترجمہ فرنچ میں کیا، سیرت نبوی پر فرنچ میں کتاب لکھی جس کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہوچکا ہے اور آپ کی بہت ہی مقبول کتاب ہے۔ ان زبانوں میں اسلام کے تعارف پر بنیادی کام کیا اور متعدد اہم پیپرز پڑھے جو مختلف یونیورسٹیوں میں اور عالمی کانفرنسوں میں پڑھے گئے۔ پاکستان کی بھاولپور یونیورسٹی کی دعوت پر اردو میں وہاں بارہ خطبے دیے جن کا مجموعہ خطبات بھاولپور کے نام سے شائع ہوچکا ہے اور ان کا انگریزی ترجمہ بھی ہوچکا ہے۔ انگریزی میں بھی انہوں نے متعدد کتابیں اور مقالے لکھے انہیں حدیث اور سیرت کی تحقیق سے گویا عشق تھا۔ چنانچہ اس میدان میں ان گوشوں کا رخ کیا جو ابھی تک اچھوتے تھے۔ سیرت ابن اسحاق کو کھوج نکالا پھر اسے تحقیق وتحشیہ کے ساتھ شائع کیا۔ حدیث کے اولین مجموعوں میں سے صحیفہ ہمام بن منبہ دریافت کیا اور اسے تحقیق وتخریج کے ساتھ شائع کیا۔ نبی ﷺ کے سیاسی خطوط ومعاہدے وغیرہ کی دستاویزوں کی تلاش کی اور ان مکتوبات شریفہ کو المواثیق النبویہ السیاسیہ کے نام ایڈٹ کرکے شائع کیا۔ اور اس طرح حدیث نبوی کی تدوین وتوثیق سے متعلق مستشرقین ومنکرین حدیث کے اٹھائے ہوئے تمام اعتراضات کا خاتمہ کردیا۔ ان کاموں میں سے ہر کام اپنی جگہ ایسا کارنامہ ہے جو بڑی بڑی تحقیقی اکیڈمیوں اور ریسرچ اسکالروں کے کرنے کا ہے۔ لیکن انہیں تنہا ایک فرد فرید نے انجام دیا۔ اسی طرح میثاق مدینہ کی تشریح وتوضیح کی، اسلام کے بین الاقوامی قوانین کی تشریح کی، عہد نبوی کے میدانہائے جنگ کا مطالعہ پیش کیا۔ ان میں سے ہر کام ان کو بیسویں صدی کا رجل عظیم قرار دینے کے لیے کافی ہے۔ اور اسی لیے راقم احقر ڈاکٹر صاحب موصوف کو بیسویں صدی میں مجدد علوم سیرت قرار دیتا ہے۔ اور یہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ جو بھی واقعی سنجیدگی کے ساتھ علوم وسیرت ومغازی سے متعلق ان کی تحقیقات اور علمی جدوجہد کا بنظر غائر مطالعہ کرے گا وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس میدان میں ڈاکٹر حمید اللہ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ اور یہ کام وہی شخص انجام دے سکتا ہے جسے ذات نبوی سے عشق ہو اور جو سرتاپا محنت ومشقت، جدوجہد، صبرو مصابرت اور تحقیق کا مرد میدان ہو۔

اس لحاظ سے ڈاکٹر صاحب نہ صرف پورے عالم اسلام کی متاع بے بہا تھے بلکہ وہ روشنی کا وہ مینار تھے جو موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لیے علم وتحقیق کے نشانات راہ روشن کرتے ہیں۔ وہ ہر لحاظ سے نمونہ سلف تھے کہ ان کی ذات اور کاموں سے اسلام کے ان روشن ادوار کی یاد تازہ ہوتی تھی جب غزالی ورازی، البیرونی، ابن خلدون، ابن رشد، ابن حزم اور ابن تیمیہ جیسے عباقرہ علم وفکر عالم اسلام کو اپنے اپنے زمانوں میں اپنے علم سے منور کررہے تھے اور امت مسلمہ علوم وفنون کے میدان میں پوری دنیا کی امامت کررہی تھی۔ ڈاکٹر حمید اللہ کو راقم نے جس بنیاد پر مجدد کہا ہے اس کا تھوڑا سا پس منظر بھی سامنے رہے تو بات زیادہ واضح ہوجائے گی۔ اور وہ پس منظر یہ ہے کہ عہد حاضر میں ہر چیز کی تحقیق کا مرکز مغرب بن گیا ہے حتی کہ علوم اسلامیہ پر ریسرچ وتحقیق کی مرجعیت بھی مشرق سے مغرب کو منتقل ہوگئی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ سولہویں صدی سے لیکر تا حال مغرب نے علوم اسلامیہ پر زبردست محنت کی ہے۔ اس نے استشراق (مشرقیات اور اسلامی علوم کا مطالعہ) کو رواج دیا اور اس میں بڑی مہارت حاصل کرلی۔ انیسویں صدی کے نصف اول میں عالم اسلام کو سیاسی غلام بنا کر جبر وتشدد کے ذریعہ اس کی ذہنی وفکری قوتوں کو منجمد کردیا۔ دنیائے اسلام پر گزشتہ کئی صدیوں سے ایک عمومی علمی، تحقیقی اور عقلی وفکری زوال طاری تھا، مغربی یلغار نے اسے اور نیم جاں کردیا۔ اس کی تحقیقات، اس کے علوم وفنون اور اس کی صنعتوں کو ٹھپ کردیا۔ اس کے مالی اور علمی اثاثے ضبط کرکے اپنے ہاں منتقل کرلیے اور اس کے بعد تفسیر وحدیث، سیرت وتاریخ، ادب وبلاغت اور فقہ وفلسفہ وغیرہ اسلامی علوم اور ان کی مختلف شاخوں میں کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جس کا حرف حرف پڑھ کر مستشرقین نے اس پر تحقیق نہ کی ہو۔ انہوں نے عربی واسلامی علوم کے پرانے مخطوطوں کو ایڈٹ کیا، ان کے تشریحی انڈیکس تیار کیے۔ مختلف عالمی زبانوں میں ان کے ترجمے کیے، حواشی لکھے، ڈکشنریاں اور معاجم تیار کیے، دقیق مباحث کی تسہیل کی اور اس سارے کام میں اپنے مزعومات بھی خوب نمک مرچ لگا کر داخل کردیے۔ اپنی انہیں کاوشوں کی بنیاد پر انہیں ان علوم پر مہارت اور استناد حاصل ہوگئی۔ اب علوم اسلامیہ انہیں کی عینک سے پڑھے جانے اور انہیں کی نظروں سے دیکھے جانے لگے۔ جو درجہ کبھی جامعہ ازہر، زیتونہ، نظامیہ بغداد کو کبھی حاصل تھا اب آکسفور، کیمبرج، سوربون، مانچسٹر، ہارورڈ، میک گل وغیرہ کو حاصل ہوگیا۔ انہی مستشرقین کی تشریحات رائج ہوگئیں اور خود مسلم دنیا کی جامعات اور یونیورسٹیوں میں بھی وہی مرجع قرار پائے۔ مستشرقین اور ان کے مشرقی شاگردوں نے خدا رسول اور مذہب کے بارے میں غلط فہمیاں عام کردیں۔ مثلاً بعض کہتے ہیں کہ وحی ایک بیماری (صرع) سے تاثر کا نتیجہ تھی۔ ان میں سے بہت سے قرآن پاک کو رسول اللہ کی تصنیف باور کراتے۔ اسلامی اخلاقیات کو یہودی اور عیسائی تعلیمات سے ماخوذ اور اسلامی فقہ وقانون کو رومن لا سے اخذ کردہ کہا۔ ہمارا المیہ یہ رہا کہ اس پوری مدت میں علمی تحقیق سے ہم مغرب اور مغربی علما کا مقابلہ نہیں کرسکے جس طرح مغرب میں استشراق کی نشوونما ہوئی اس کے مقابلہ میں ہمارے ہاں استغراب (مغربی علوم وفنون کا مطالعہ) کی کوئی روایت نہیں پڑی۔ جس کے ذریعہ مسلمان مغرب کو پڑھتے، اس کی فکری اساسات کا پتہ لگاتے اور اس کے علمی سرمایہ کا تنقیدی جائزہ لے سکتے اور یوں دفاع سے اقدام کی پوزیشن میں آجاتے جس طرح ماضی میں ابن حزم، البیرونی، ابن خلدون، غزالی، ابن تیمیہ نے معاندین کا مقابلہ انہیں کے ہتھیاروں سے لیس ہوکر کیا تھا وہ تجربہ دوبارہ نہیں دہرایا جاسکا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسی خلا کو پر کیا۔ انہوں نے مغرب کی زبانیں سیکھیں، مغرب کے تحقیقی منہج کا مطالعہ کیا اور اسلامی علوم سے متعلق مستشرقین کی لن ترانیوں کا جواب دیا اس سلسلہ میں موجودہ دور میں وہ اکیلے نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی عمر عزیز کا بڑا حصہ مغرب میں گزرا۔ انہوں نے مغربی علوم کا مطالعہ گہرائی سے کیا کیونکہ کئی زبانوں پر مہارت اور کئی علوم میں تبحر کی وجہ سے وہ نہ صرف مستشرقین کی ٹکر کے تھے بلکہ اپنی محنت اور وسعت مطالعہ میں ان پر بھی فائق تھے۔ چنانچہ ان کی کتابوں کا تحقیق پایہ بہت بلند ہے۔ اور واقعہ تو یہ ہے کہ مشرق اور بطور خاص عالم اسلام مغربی علما کے مقابلہ میں چند ہی لوگوں کو پیش کرسکتا ہے جن میں ڈاکٹر حمید اللہ کو سرخیل کا رتبہ حاصل ہے۔ فرانس میں رہ کر ڈاکٹر صاحب نے قومی ادارہ برائے تحقیقات اور دی فرانس کالج میں اسلام پر محاضرات دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ ہر سال وہ ترکی بھی جاتے جہاں کی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ان کے لیکچرز ہوتے۔ علاوہ ازیں فرانس، جرمنی اور دوسرے ملکوں میں ہفتہ وار، ماہانہ اور سہ ماہی وزٹ پر جاتے اور لیکچر دیتے۔ اس طرح تقریباً 60 سال تک یہ مرد درویش مدح وستائش سے بے نیاز کبھی جامعات میں پڑھاتا، کبھی مسجدوں میں درس دیتا، کبھی علمی سیمناروں اور مذاکروں میں مختلف موضوعات پر اسلام کو موقف کو پیش کرتا۔ اور کبھی عالمی رسائل وجرائد میں لکھ کر اپنی ذہانت، وسعت علمی اور کثرت مطالعہ کا ثبوت پیش کرتا۔ مشرق کے اس فرزند کی مغرب نے قدر کی اور ان کو عالمی پیمانے پر ایک عظیم اسلامی اسکالر کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ مختلف زبانوں میں ڈاکٹر حمید اللہ کے تحریر کردہ مقالات زائد از 7 3 9 ہیں اور مستقل تصنیفات، بشمول ان قدیم علمی کتابوں کے جن کی انہوں نے تحقیق وتخریج کی ہے، کی تعداد 165 تک پہنچتی ہے۔ اس طرح وہ ان متقدمین علما اسلام کے ہم پلہ ہوجاتے ہیں جو کثرت تالیف وتصنیف میں شہرہ رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ مسلک کے لحاظ سے شافعی تھے لیکن کبھی تقلید جامد کے قائل نہ رہے اور انہوں نے قرآن وسنت کو اصل بنایا اور ان کی روشنی میں جدید تقاضوں کو سامنے رکھ کر اجتہاد بھی کیا۔ شافعی ہونے کے باوجود فقہ اور اصول فقہ اور اسلامی قانون کی تدوین سے متعلق حنفی مکتب فکر خصوصاً امام ابوحنیفہ کو انہوں نے زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے اور فقہ کے رائج تمام اسکولوں پر ان کے گہرے اثرات کا ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: خطبات بھاولپور، تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد ص 123-128-129)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا بڑا امتیاز یہ ہے کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے سلسلہ میں وہ نہایت معتدل اور فراخدل ہیں۔ مختلف فیہ مسائل میں ان کا طریقہ نہایت عملی ہے کہ ہر شخص کو اپنے مسلک پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے ہیں کوئی ایک رائے سب پر نہیں تھوپتے۔ بہت سے مسائل میں ان کا اپنا اجتہاد اور اپنی رائے ہے مثلاً وہ موسیقی کے جواز کے قائل ہیں، مصارف زکوۃ کی تفصیل میں وہ کہتے ہیں کہ مؤلفۃ القلوب کے دائرہ میں سیکریٹ سروس کا نظام بھی آجاتا ہے۔ عاملین علیہا میں سول ایڈمنسٹریشن اور فی سبیل اللہ میں ملٹری ایڈمنسٹریشن آجاتا ہے۔ ان کے ہاں عندالضرورہ اعضاء کا عطیہ کرنا صحیح ہوگا۔ استثنائی حالتوں میں عورت کی امامت کا ثبوت ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی مسائل ہیں جن میں ڈاکٹر حمید اللہ کی رائے دوسرے اہل علم سے مختلف ہے تاہم انہوں نے جو رائے بھی قائم کی ہے وہ دلیل وبرہان کی روشنی میں کی ہے۔ ان سے اختلاف تو کیا جاسکتا ہے لیکن یہ حق ہے کہ جدید پیش آمدہ مسائل کے سلسلہ میں ان کی رایوں اور دلیلوں سے مزید غور وفکر اور مطالعہ وتحقیق کی راہ کھلتی ہے اور ان کی آراء بجا طور پر بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی کا کام دیتی ہیں۔

یہ خوش آئند ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کا معروف تھنک ٹینک انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز نئی دہلی 18-17 فروری کو ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے علمی ورثہ کی یاد میں ایک دودوزہ بین الاقوامی کانفرنس کرنے جارہا ہے۔ جس میں ہندو بیرون ہند سے علوم اسلامیہ کے ماہرین، سرکردہ علما، اہل فکر اور اہل دانش شرکت کررہے ہیں۔ اس علمی کانفرنس سے ڈاکٹر حمید اللہ کی علمی میراث کو آگے بڑھانے اور اسلام کے علمی قافلہ کو مہمیز دینے میں مدد ملے گی۔ خدا کرے یہ کانفرنس اپنے مقاصد میں کامیاب ہو اور مسلمانوں کی علمی روایات کے زندہ کرنے کا باعث بن جائے۔

علم وفضل کا مینارۂ نور: ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

شاہ اجمل فاروق ندوی
(انچارج اردو سیکشن، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (1908 - 2002) کی وفات کو 14 برس بیت چکے ہیں، اس کے باوجود علمی حلقوں میں ان کا تذکرہ کسی زندہ وباحیات شخصیت کی طرح ہو رہا ہے۔ سچ یہ ہے کہ ان کی زندگی میں ان کی ویسی قدر نہیں ہوئی، جیسی ہونی چاہیے تھی۔ لیکن ان کی وفات کے بعد شاید برصغیر کے علمی حلقوں کو اس بات کا احساس ہونے لگا کہ وہ ایک گوہر نایاب سے محروم ہو گئے ہیں۔ تاریخ میں ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ ایسی بہت سی شخصیات ہیں، جن کی عظمت ورفعت کا عرفان امت کو دیر سے حاصل ہوا۔ جب عرفان حاصل ہو گیا تو سب ان کے گن گانے لگے اور انہیں اپنے اپنے حلقے میں شامل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ وہ شخصیات ہوتی ہیں، جو پوری زندگی صلہ وستائش سے بے پروا ہو کر اپنا کام کرتی چلی جاتی ہیں۔ ان کے جانے کے بعد جب دنیا ان کے کام کی وسعت اور گہرائی کا ادراک کرتی ہے تو انہیں خراج عقیدت پیش کیے بغیر نہیں رہ پاتی۔ کچھ یہی صورت حال ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی بھی ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ ان کی زندگی میں ان کا اعتراف نہ کیا گیا ہو۔ ان کو ایسے متعدد امتیازات واعزازات حاصل ہوئے، جن کے حصول کے لیے لوگ پوری پوری زندگی لگا دیتے ہیں۔ ان کی خدمات کا اعتراف کیا گیا، کافی کیا گیا لیکن جیسا ان کا حق تھا ویسا نہیں کیا گیا۔ اس میں ان کے قیام یورپ کو بھی دخل تھا اور ان کی بے نیاز و مستغنی طبیعت کو بھی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ 1908 میں انگریز ہندوستان کی ریاست حیدرآباد میں ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ جامعہ نظامیہ سے دینی تعلیم اور جامعہ عثمانیہ سے 1928 میں بی اے کی تعلیم مکمل کی۔ اسی سال ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت ان کی عمر 20 سال تھی۔ 1930 میں جامعہ عثمانیہ ہی سے ایم اے کیا اور اسی سال ایل ایل بی کی ڈگری بھی حاصل کی۔ پھر جرمنی کا رخ کیا۔ 1933 میں بون یونی ورسٹی، جرمنی سے "اسلام کے بین الاقوامی قانون میں غیر جانب داری" کے موضوع پر ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری حاصل کی۔ مزید علم کے شوق نے فرانس پہنچا دیا۔ وہاں سوبورن یونی ورسٹی، پیرس سے "عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کاری" کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی دوسری ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد حجاز مقدس میں قیام کا موقع ملا تو مدینہ منورہ کے مشہور قاری شیخ حسن الشاعر کو پورا قرآن کریم سنایا اور سند لی۔ پھر وطن واپس ہوئے اور 1935 سے 1948 تک جامعہ عثمانیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ تقسیم ہند کے ساتھ ہی ریاست حیدرآباد میں پھیلی اتھل پتھل سے سخت دلبرداشتہ ہو کر ریاست حیدرآباد کے پاس پورٹ پر پیرس چلے گئے۔ اپنے وطن حیدرآباد کی محبت اور ذاتی حمیت وغیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ کسی ملک کی شہریت لیں۔ نہ فرانس میں شہریت کی درخواست دی، نہ پاکستان کی جانب سے کئی مرتبہ کی گئی شہریت کی پیشکش کو قبول کیا اور نہ وطن واپس آ کر ہندوستان کی شہریت لی۔ ایک پناہ گزیں کی حیثیت سے مستقل فرانس میں سکونت اختیار کر لی۔ 1954 سے 1978 تک فرانس کے سب سے بڑے سرکاری تحقیقی ادارے سے وابستہ رہے۔ 1994 میں طبیعت کی سخت خرابی کی بناء پر اپنے بھائی کی پوتی کے ساتھ فلوریڈا، امریکہ منتقل ہو گئے۔ 17 دسمبر 2002 کو وہیں وفات پائی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی شخصیت کے متعدد گوشے ایسے ہیں، جن سے موجودہ علمی دنیا روشنی حاصل کر سکتی ہیں۔ ان کا پہلا مضمون "مدراس کی سیر" 1924 میں لاہور کے ہفت روزہ نونہال میں شائع ہوا تھا۔ جب کہ پہلی کتاب "رومی اور اسلامی ادارہ غلامی" جامعہ عثمانیہ کی بزم قانون کے زیر اہتمام 1931 میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھتے گئے اور پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ 60 برس کے عرصے میں دنیا کی سات بڑی زبانوں میں 164 کتابیں لکھیں۔ تقریباً 20 ہزار صفحات۔ اس کے ساتھ 1000 مضامین تحریر کیے۔ ان کی کتابوں کے دسیوں زبانوں میں ترجمے بھی ہوئے۔ وہ دنیا کے واحد شخص تھے، جنہوں نے قرآن کریم کا 3 زبانوں میں ترجمہ کیا۔ فرنچ، جرمنی اور انگلش۔ فرنچ میں اس سے پہلے قرآن کا ترجمہ نہیں ہوا تھا۔ اس ترجمے کے 20 ایڈیشن شائع ہوئے، جن میں سے صرف بیسواں ایڈیشن 20 لاکھ کی تعداد میں شائع ہوا تھا۔ اتنے بڑے پیمانے پر علمی وتحقیقی کام کرنے والا انسان چاہتا تو دولت کے انبار لگا لیتا۔ لیکن انہوں نے کسی بھی کتاب یا ترجمے کے حقوق اپنے نام محفوظ نہیں رکھے۔ کسی نے رائلٹی دینی بھی چاہی، تو یا تو قبول نہ کی اور اگر قبول کی تو فوراً کسی خیر کے کام میں لگا دی۔ پوری عمر دو چار کپڑے کے جوڑوں اور ایک چھوٹے سے فلیٹ میں بسر کر دی، بلکہ بسا اوقات فاقوں کی نوبت بھی آ گئی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یورپ اور بالخصوص فرانس میں اسلام کے لیے ماحول سازگار کرنے میں بڑا بنیادی اور اہم کردار ادا کیا۔ ان کے قریبی لوگوں کے مطابق ان کے ہاتھ پر کئی ہزار یورپی لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ لیکن قربان جائیے ان کے جذبہ صادق کے، کہ کبھی بھولے سے بھی اپنی ان بے مثال خدمات کا تذکرہ زبان پر نہیں لائے۔ کئی اہم مستشرقین سے اپنی خدمات کا لوہا منوایا۔ ان سے دس قدم آگے بڑھ کر علمی وتحقیقی دلائل کے ذریعہ ان کے بہت سے دعووں کا رد کیا۔ یورپ کی دو اہم یونی ورسٹیوں سے ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کیں، لیکن ہمیشہ اپنی اصل سے رشتہ استوار رکھا۔ عبادات اور اسلامی وضع قطع کے معاملے میں کبھی صلح نہیں کی۔ انہیں اپنی ڈگریوں میں سب سے محبوب قرأت قرآن کی وہ ڈگری تھی، جو انہوں نے مدینہ منورہ سے حاصل کی۔ اعلیٰ درجے کے محقق ہونے کے باوجود روحانیت سے اپنا رشتہ مضبوط بھی رکھا اور اس کی اہمیت کا اعتراف بھی کرتے رہے۔ ان کے یہ جملے آج کے عقلیت زدہ ماحول کے لیے نسخہ جاں کی حیثیت رکھتے ہیں:

"ہر روز کثرت سے فرنگی مسلمان ہو رہے ہیں۔ انگلستان، فرانس، جرمنی، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، بلجیم، ڈنمارک، شمالی وجنوبی امریکہ کوئی ملک اس سے مستثنیٰ نہیں۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے پتا چلایا کہ ان کا 99 فیصد حصہ تصوف اور صوفیہ کی تعلیم کے باعث اسلام قبول کر رہا ہے۔ عقل پرستوں کی لایعنی تفسیروں اور تحریروں کے باعث نہیں۔ صوفیہ کی چیزیں اب آہستہ آہستہ فرنگی زبانوں میں ترجمہ وتالیف ہو رہی ہیں۔ میں خود عقلیت کا دلدادہ تھا۔ یہاں آ کر ہار ماننی پڑی۔ اسلام دل کے راستے سے ہی پھیل سکتا ہے۔ دل کی زبان میں جو تاثیر ہے، جو سحر ہے وہ کسی اور چیز میں نہیں۔ ہم جس کی (یعنی مغرب کی) نقالی کرنا چاہتے ہیں وہ خود اپنے سے بیزار ہو گیا ہے۔"

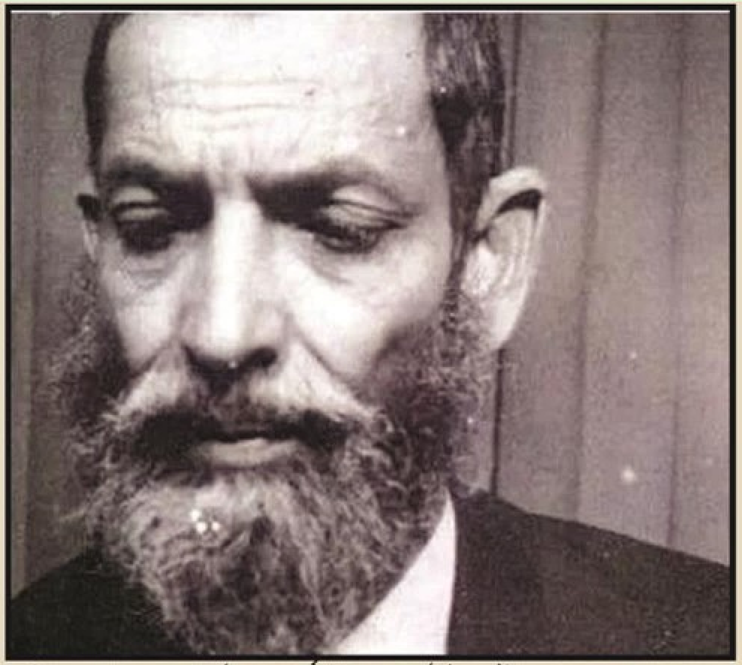

ڈاکٹر محمد حمید اللہ 15 زبانوں کے ماہر تھے۔ 7 زبانوں میں کتابیں لکھیں۔ 12 نادر مخطوطات کو یورپ کی لائبریریوں سے دریافت کر کے شائع کیا۔ پاکستان میں انہیں صدر مملکت کی جانب سے ایک سے زائد مرتبہ شہریت اور کسی بھی یونی ورسٹی میں پروفیسر شپ کی پیشکش کی گئی۔ ملیشیا میں وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ترکی کی جامعات میں سلسلہ وار لیکچرز دیے۔ سعودی حکومت نے ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں عالم اسلام کا سب سے بڑا اعزاز "فیصل ایوارڈ" پیش کرنا چاہا۔ پاکستان کا موقر علمی اعزاز "نقوش ایوارڈ" پیش کیا گیا۔ دس لاکھ کی رقم پیش کی گئی اور نہ جانے کیسی کیسی پیش کشیں ہوئیں، لیکن وہ اللہ کا بندہ سب کو نامنظور کر کے اپنے علمی کاموں میں لگا رہا۔ کسی بڑے سے بڑے اعتراف اور اعلیٰ سے اعلیٰ پیش کش کو بھی قبول نہ کیا۔ صرف اس لیے کہ وہ خود کو اسلام کا ایک خادم سمجھتے تھے۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے تھے جس سے اس میدان میں ان کی یکسوئی متاثر ہو۔ ساتھ ہی وہ آخر دم تک اپنے بزرگوں اور اساتذہ کا غایت درجہ احترام کرتے رہے۔ اونچے اور بہت اونچے مقام پر پہنچ کر بھی اپنے بڑوں سے رشتہ نہیں توڑا۔ خود کو ایک ادنیٰ طالب علم، دین کا خادم اور بڑوں کی دعاؤں اور عنایتوں کا ثمرہ سمجھتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب کے کارناموں اور ان کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو سخت حیرت ہوتی ہے کہ وہ کس قسم کے انسان تھے؟ ایسا لگتا ہے کہ سلف صالحین اور قرون اولیٰ کے ائمہ وعلماء کی مقدس جماعت کا کوئی فرد ہمارے دور میں آ گیا تھا۔ مال ودولت اور جاہ ومنصب کے حصول کے بے شمار مواقع، لیکن وہ مرد درویش ان سب کو ٹھکرا کر اپنے علمی کاموں میں مصروف ومگن۔ دل ودماغ پر بس خدمت دین اور خدمت علم کی دھن سوار۔ اعلیٰ پیمانے کے انتہائی وسیع علمی وتحقیقی سرمایے کے مالک، لیکن حد درجہ متواضع، منکسر، درویش صفت اور فقیرانہ زندگی گزارنے والے۔ ایسی شخصیت کا وجود موجودہ دور میں کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ امت مسلمہ اس گوہر نایاب کی قیمت سمجھے اور علمی دنیا علم وفضل کے اس مینارۂ نور سے روشنی حاصل کرے۔ ☆ ☆ ☆

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یورپ اور بالخصوص فرانس میں اسلام کے لیے ماحول سازگار کرنے میں بڑا بنیادی اور اہم کردار ادا کیا۔ ان کے قریبی لوگوں کے مطابق ان کے ہاتھ پر کئی ہزار یورپی لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ لیکن قربان جائیے ان کے جذبہ صادق کے، کہ کبھی بھولے سے بھی اپنی ان بے مثال خدمات کا تذکرہ زبان پر نہیں لائے۔ کئی اہم مستشرقین سے اپنی خدمات کا لوہا منوایا۔ ان سے دس قدم آگے بڑھ کر علمی وتحقیقی دلائل کے ذریعہ ان کے بہت سے دعووں کا رد کیا۔